

آشیانه

05-12-2017



آزل

## فہرست

بچوں کی دنیا

۱. ..... انوکھی سزا

۲. ..... سوشل میڈیا کے دانشور

سائنس / ٹیکنالوجی

۳. ..... انگلش و نگلش

۵. ..... ننھی پری

---



## انوکھی سزا

مصنف: حاجی بصیر سراج

”حسن بیٹا، دوکان سے ایک کلو چینی جلدی سے لے آؤ،“ حسن کی امی نے حسن کو دیکھ کر بلند آواز سے کہا۔ حسن اس وقت کھیل کر گھر میں داخل ہو رہا تھا۔



”جی امی! ابھی جاتا ہوں“ حسن نے جواب دیا، اور گھر سے کچھ ہی دور موجود دوکان کی طرف چل پڑا، دوکان پر پہنچ کر حسن نے ایک کلو چینی کا آرڈر دیا۔

دوکاندار حسن کی بات سن کر مڑا اور دوکان کے اندرونی حصے کی طرف چینی لینے کے لئے چلا گیا، اسی دوران حسن کی نگاہ دوکان میں سامنے ریٹنگ پر رکھے ایک ڈبہ پر پڑی جو رنگ برنگے کیکوں سے بھرا پڑا تھا، حسن اس وقت بھوکا تھا، اسکے دل میں نہ جانے کیا خیال آیا اس نے دوکاندار کو اپنی طرف متوجہ نہ پا کر جلدی سے ایک کیک اٹھایا اور منہ میں ڈال کر نگٹے کی کوشش کرنے لگا، اسی دوران دوکاندار واپس آگیا، اور حسن کو چینی دی، حسن نے چینی لے کر رقم ادا کی، اور گھر کی طرف چل پڑا۔

حسن دل ہی دل میں بہت خوش تھا کہ دوکاندار اسکی چوری کو نہیں دیکھ سکا، اور کیک مفت میں اس نے کھا لیا، کیک کا ذائقہ حسن کو بہت اچھا لگا، لیکن اسے محسوس ہو رہا تھا کہ جب سے اس نے کیک کھایا ہے اسکے گلے میں کوئی چیز پھنس سی گئی ہے۔

حسن گھر پہنچا، ماں کو چینی تھائی اور ایک کمرے میں موجود آئینے کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا، حسن نے اپنا منہ کھولا اور آئینے کی مدد سے گلے میں جھانکنے لگا، کہ وہ کون سی چیز ہے جو اس کے گلے میں پھنس گئی ہے، اور اب تو درد بھی ہونے لگا تھا۔ حسن زور لگا کر پورا منہ کھولنے کی ناکام کوشش کرتا رہا، مگر اسے کوئی چیز نظر نہیں آئی۔

ابھی حسن آئینے کے سامنے کھڑے منہ کھولے دیکھ ہی رہا تھا کہ اچانک حسن کی امی کمرے میں داخل ہوئیں اور حسن کو یوں منہ کھولے آئینے کے سامنے کھڑا دیکھ کر حیران ہوئیں، اور پوچھا، حسن بیٹا اس طرح منہ کھولے آئینے کے سامنے کھڑے کیا دیکھ رہے ہو۔

حسن اپنی امی کو سامنے دیکھ کر گھبرا گیا، اور بولا، نہیں امی، بس ویسے ہی کھڑا ہوں۔

ابھی حسن نے بس اتنا ہی کہا تھا کہ اس کے گلے میں ایسا شدید درد ہوا جیسے اسکے گلے کو کسی نے تیز دھار آلے سے کاٹ دیا ہو، حسن وہیں زمین پر لوٹ پوٹ ہو گیا۔

حسن کی امی یہ دیکھ کر گھبرا گئیں کہ اچانک میرے بیٹے کو کیا ہو گیا ہے؟ حسن کی امی نے جلدی سے حسن کو سیدھا کر کے بستر پر لٹایا اور پوچھا کہ کیا ہوا ہے بیٹا؟

حسن مسلسل چیخے، چلائے جا رہا تھا، اس کے گلے سے عجیب و غریب آوازیں نکل رہی تھیں، اسکے منہ سے ہلکا سا خون بھی باہر نکل رہا تھا اب حسن کو یقین ہو گیا تھا کہ اسکے گلے میں کوئی چیز موجود ہے جسکی وجہ سے اسکی یہ حالت ہو گئی ہے۔ حسن کی امی یہ سب دیکھ کر شپٹا گئیں اور زور زور سے سب گھر والوں کو آوازیں دینے لگیں، حسن کے ابو، دادا، دادی، بہن، بھائی سب دوڑے چلے آئے، اور حسن کی حالت دیکھ کر سب گھبرا گئے۔

حسن کے دادا نے جلدی سے پانی منگوا یا اور حسن کو بہت سا پانی پلایا لیکن کچھ افادہ نہ ہوا۔ حسن کا درد اور ٹھنیں ویسی ہی رہیں، اس کی حالت غیر ہو رہی تھی، وہ دل ہی دل میں اس وقت کو کوس رہا تھا، جب اس نے چوری چھپے وہ کیک کھایا تھا۔

حسن کی دادی اماں نے ایک روٹی کا ٹکڑا منگوا یا اور حسن کے منہ میں ڈال دیا، حسن نے اس روٹی کے ٹکڑے کو باہر اگل دیا، اس سے کچھ نہیں کھایا جا رہا تھا۔

تب حسن کے ابو نے سختی سے پوچھا کہ حسن سچ سچ بتاؤ کیا کھایا تھا جس کی وجہ سے یہ حالت ہو رہی ہے، حسن نے جب یہ دیکھا کہ اب بتانے کے سوا کوئی چارہ نہیں، تو اس نے روتے ہوئے شرمندہ لہجے میں سب کو بتادیا کہ اس نے دوکاندار کی نظروں سے بچ کر ایک کیک کھایا تھا تب سے اس کے گلے میں کوئی چیز پھنس گئی ہے۔

حسن کے ابو نے ایک خشک روٹی کا بڑا سا ٹکڑا منگوا یا اور حسن کو اسکے نگٹے کا حکم دیا، حسن نے بہت انکار کیا، مگر اس کی ایک نہ چلی، مجبوراً اس نے وہ ٹکڑا منہ میں رکھا اور اسے نگٹے کی کوشش کرنے لگا، حسن کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا، وہ برے برے منہ بنا رہا تھا، اور دل میں اپنے آپ پر لعن طعن کر رہا تھا کہ کاش وہ کیک کھانے کی غلطی نہ کرتا۔



حسن مسلسل اس خشک روٹی کے ٹکڑے کو نگٹے کی کوشش کرتا رہا تھا، کہ اچانک اسے زوردار ایکاٹی آئی اور

مسلسل تے شروع ہو گئیں، جیسے ہی تے رکی، حسن کو گلے میں کچھ سکون محسوس ہوا، اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اب اسکے گلے میں کوئی چیز نہیں ہے، اب اسے درد بہت کم محسوس ہو رہا تھا۔ حسن کے ابو اب اس تے کو دیکھ رہے تھے کہ آخر کیا چیز حسن کے گلے میں پھنس بن کر اسے تکلیف دے رہی تھی۔ اچانک حسن کے ابو کو کسی کالی سی چیز کے ٹکڑے نظر آئے، غور سے دیکھنے پر پتا چلا کہ یہ چیونٹے کا پچھلا حصہ ہے اور یہی چیونٹا حسن کے گلے میں پھنس گیا تھا، اسی کے کاٹنے کی وجہ سے حسن کی حالت خیر ہو گئی تھی، چیونٹے دیکھ کر اب سب کو یہ بات سمجھ آ گئی تھی کہ جب حسن نے جلدی سے کیک اٹھا کر منہ میں ڈالا تھا، تو اس وقت وہ چیونٹا اس کیک پر بیٹھا تھا، وہ بھی کیک کے ساتھ حسن کے منہ میں چلا گیا، لیکن پیٹ میں جانے کی بجائے حلق میں پھنس کر رہ گیا، اور باہر نکلنے کی مسلسل کوشش کرنے کی وجہ سے حسن کو یہ سب کچھ چھیلنا پڑا۔ حسن کو اس کے کیے کی سزا مل چکی تھی۔ وہ سب گھر والوں کے سامنے ندامت کھڑا تھا۔ حسن کے ابو نے حسن کو گلے سے لگا لیا اور معاف کر دیا۔ اور وعدہ لیا کہ آئندہ حسن کبھی ایسی حرکت نہیں کرے گا۔

اگلے دن جب حسن کی حالت کچھ سنبھل گئی تو حسن کی امی نے حسن کو پانچ روپے دیے اور کہا کہ جاؤ بیٹا یہ پیسے دوکاندار کو دے آؤ۔ یہ اس کیک کے پیسے ہیں جو تم نے کھل کھایا تھا، حسن اسی دوکان پر چلا گیا اور دوکاندار سے کہا کہ معذرت انکل، کل آپکی دوکان سے میں نے غلطی سے کیک کھایا تھا اور پھر حسن نے جیب سے پیسے نکالے اور دوکاندار کی طرف بڑھا دیئے۔ دوکاندار حسن کی اس ایمانداری کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور سامنے پڑے ہوئے اسی کل والے کیک کی طرح ایک اور کیک نکال کر حسن کی طرف بڑھا دیا اور کہا کہ کیک لے لو بیٹا، یہ میری طرف سے اس ایمانداری کا انعام سمجھ کر کھا لو، حسن نے جیسے ہی کیک دیکھا اسے کل خود کے ساتھ بیٹا ماجرا یاد آگیا، اسے یوں محسوس ہوا جیسے اسکے گلے میں پھر سے کوئی چیز پھنس گئی ہو حسن فوراً گھر کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ دوکاندار حسن کو یوں بھاگتا دیکھ کر حیران ہوا اور سوچنے لگا کہ کتنا پیارا اور نیک بچہ ہے، ایسا بچہ آجکل کہاں دیکھنے کو ملتا ہے۔ اب اسے کیا معلوم کہ حسن کے ساتھ یہ کیک کھانے کی وجہ سے کیا بنی۔ حسن نے گھر پہنچ کر اطمینان کا سانس لیا اور دل میں تہیہ کر لیا کہ آئندہ وہ کبھی چوری نہیں کرے گا اور نہ ہی کبھی کیک کھائے گا۔ یوں حسن کی پہلی غلطی اس کی آخری غلطی بن گئی۔

تو مجھے یاد ہی نہیں رہا "

یہی صورتحال پٹانہ لیکس کے حوالے سے بھی درپیش ہے ، طرح طرح کے تبصرے پڑھنے کے بعد بندہ خواہ مخواہ خود کو جج سمجھ بیٹھتا ہے اور ان تبصروں کی روشنی میں فوراً فیصلہ صادر کردیتا ہے کہ نوازشریف کو عہدہ سے ہٹانے کے علاوہ عمر بھر کیلئے نااہل قرار دیا جاتا ہے ۔ ان میں سے بعض تبصرے تو بڑی ہی دلچسپی کے حامل ہوتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر عدالت عظمیٰ کی جیوری وہ پڑھ لے تو ان کی فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی ، یقیناً کریں کہ قانون، آئین کی تشریحات جس قدر دلچسپ انداز میں فیس بک پر نظر آتی ہیں اس کا عشر عشیر کوئی حقیقی ماہر قانون و آئین نہیں ہو سکتا۔

ایک تبصرہ نگار سے اچھی خاصی سلام دعا ہے، انکے ہر ادبی، سیاسی تبصرہ پر واہ واہ کرنیوالوں کی تعداد ہمیشہ سینکڑوں میں ہوتی تھی، ایک دن ہم نے مشورہ دیا کہ 'آپ اچھا لکھتے ہیں آپ کی تحریروں، تبصروں میں جامعیت ہوتی ہے لہذا کسی قومی روزنامہ کا قصد کر لیں' انہوں نے بڑے ہی فخریہ انداز میں جواب دیا "انشا اللہ آپ آئندہ چند دنوں میں کسی بڑے قومی اخبار میں میری تحریر پڑھ سکیں گے" کچھ دن انتظار میں گزر گئے پھر پتہ چلا کہ ایک قومی اخبار انچارج ادبی صفحہ نے ان کے تبصرہ پر عجیب سا تبصرہ کیا "کچھ حصہ تو ڈاکٹریونس بٹ کی تخلیقات سے متاثرہ نظر آتا ہے، کچھ جملوں کی کانٹ چھانٹ فلاں فلاں رائٹر کے زیر اثر ہے، بعض بیروں پر فلاں فلاں ادبی لکھاری نے پہلے سے ہی قبضہ جمایا ہوا ہے اور جملوں کی کاٹ حسن ثار سے مستعار لی گئی ہے" اس تبصرہ نگار کے تبصرہ پر اتنا بھرپور تبصرہ یقیناً بہت ہی دلچسپ تھا کہ اس کے بعد مزید کسی تبصرے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہی

اس کے بعد یقیناً بتانے کی ضرورت نہیں رہی کہ ہمارا ایک ڈیڑھ گھنٹہ اسی بحث مباحثہ کے چکر میں گزر گیا، گو کہ ابتدا میں یہ کام بڑا ہی دلچسپ تھا لیکن بعد میں بوریت ہونے لگی تو ہم نے فیس بک سے جان چھڑا مناسب سمجھی۔ خیر اگلے دن زید نے آن لائن ہوتے ہی پھر کہا کہ "واہ فقیہین بھائی مزہ آگیا آپ نے بکر کو خوب مزہ چکھادیا" ابھی ہم ان کے تعریفی جملوں کا لطف اٹھا رہے تھے کہ بکر صاحب نے آن لائن ہوتے ہی تقریباً ایسے ہی ملتے جلتے میسج کئے، ہم نے دونوں کی تعریفیں دونوں ہاتھوں سے سمنیں اور گلے سے لگالیں۔

صاحبو! سوشل میڈیا پر محض یہ دو ہی ایسے کردار نہیں بلکہ روزانہ ایسے کردار سے واسطہ پڑتا ہے، جن کی فرمائشیں بھی عجیب ہوتی ہیں، ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے لکھے پر واہ واہ کرنے کے علاوہ چند ایک جملے بھی لکھے جائیں تاکہ ان کی پوسٹ کی گئی "تخلیق نما شے" کی اہمیت و افلاہیت بڑھ جائے۔ اچھا ان باتوں کو چھوڑ بیٹے یہ دیکھئے کہ واہ واہ کی خواہش کسے نہیں ہوتی لیکن سوشل میڈیا خاص طور پر فیس بک کے حوالے سے عجب طرز کی کہانیاں بھی سامنے آتی ہیں اس دنیا کے دانشور جس قدر سچے اور پکے ہیں اسی قدر واہ واہ کریزولوں کی حالت بھی ویسی ہی ہے۔ پانامہ کیس سے لیکر پی ایس ایل تک، اگر فیس بک دانشوروں کے تبصرے پڑے جائیں تو بندہ خود سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اگر اتنی ہی دانش ان افراد میں ہوتی تو قوم کی یہ حالت نہ ہوتی۔ گویا دانش بیچاری بھی دانشوروں کی عقل پر ماتم کرتی نظر آتی ہے۔ 2013 کے انتخابات کے دوران بھی عالم کچھ ایسا ہی تھا، طرح طرح کے تبصروں سے ہم نے نتیجہ اخذ کیا کہ اب کی بار نہ تو پیپلز پارٹی جیت پائے گی اور نہ ہی مسلم لیگ کے سر کامیابی کا سہرا سجے گا، عمران خان بھی بس فتنی فتنی کامیابی حاصل کریگے؟ لیکن اصل کامیابی ہوگی کس کی؟ یہ سوال الیکشن کے نتائج تک ادھورا ہی رہا لیکن جوہنی انتخابات ہوئے تو پتہ چلا کہ مسلم لیگ ن واضح اکثریت کے ساتھ حکومت بنانے کی پوزیشن میں ہے۔ سوال وہی کہ اگر فیس بک کے دانشوروں کے اٹھائے گئے چاند سورج کے بارے قیاس کیا جائے تو یہی لگتا ہے کہ ابھی دن کو رات اور رات کو دن بنا دیں گے۔

ایک ایسے ہی فیس کی دانشور سے بات چیت ہو رہی تھی فرمانے لگے "پی ایس ایل کی ٹیوں کا جائزہ لینے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ کراچی کنگز، لاہور قلندرز جیسی ٹیوں پر خود انہیں بھی اعتبار نہیں، پشاور زلمی، کوئٹہ گلیڈی ایٹرز کے جیتنے کے بھی امکانات کم ہیں، اسلام آباد یونائیٹڈ بھی گزشتہ برس جیسی مضبوط ٹیم نہیں ہے" اس تبصرہ نگار سے ہم نے پوچھا "پھر کون جیتے گا" یہ سوال پڑتے ہی انہوں نے فرمایا "اوہ ہو وہ وہ"

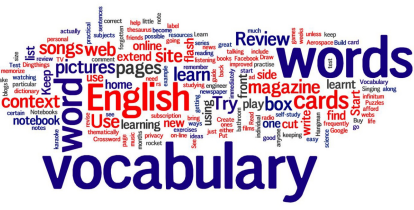
## سوشل میڈیا کے دانشور

مصنف: حاجی بصیر سراج

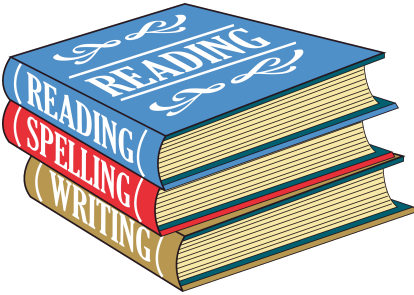
زید سے ہماری سلام دعا یا گپ شپ فیس بک کے ذریعے ہوئی، گپ شپ بھی بذریعہ میج ہوتی رہی، دوران گپ شپ پتہ چلا کہ یہ صاحب کسی مذہبی جماعت کے کارکن اور ایک بہت بڑے مذہبی رہنما کے ماننے والے ہیں ایک دن انہوں نے ہمیں فیس بک کے ان باکس میں میج کیا کہ "ثقلین بھائی! میری وال پر فلاں صاحب نے میرے قائد کے بارے میں عجیب و غریب جملے لکھ رکھے ہیں، پلیز آپ اسے جواب دیں" ان کی بات نے حیران کر دیا، ہم نے عرض کی "حضور! دیکھیں ہو سکتا ہے کہ آپ کے قائد کے حوالے سے ہمارے بھی تحفظات ہوں اس لئے آپ براہ کرم ہمیں معاف رکھیں،" زید نے کہا کہ "آپ ایسا کریں میری وال پر آکر ایک دفعہ دیکھ لیں کہ اس نے کیا بکواس کر رکھی ہے، اس کے بعد آپ مجھے اس کا جواب لکھ کر ان باکس کریں" تجویز خاصی معقول تھی اس لئے ہم نے حامی بھری، اتفاق دیکھئے کہ ان کی وال پر عجیب و غریب تبصرے کر نیوالے صاحب (انہیں آپ بکر سمجھ لیں) بھی ہمارے فیس کی دوست تھے، بکر کے تبصرہ کو غور سے پڑھا اور پھر اس کارڈو فائل میں جواب لکھ کر زید کو ان باکس کر دیا، دو تین مرتبہ یہ کام کرنے کے بعد اچانک بکر کی طرف سے ان باکس میں میج ملا "ثقلین بھائی! یہ لڑکا زید جو ہے، اس کی وال پر میری بحث چل رہی ہے اچانک اس نے اتنے دلائل کے ساتھ جواب دینا شروع کر دیا کہ میں حیران ہوں، آپ پلیز میری مہلت میں لکھ دیں کیونکہ آپ نے بھی ایک سے زائد مرتبہ اس کے قائد کے حوالے سے کچھ ایسی ویسی باتیں لکھی تھیں" ہم نے عرض کی "حضور! وہ باتیں اس وقت کے حساب سے تھیں ہمارا ان کے قائد سے کوئی ذاتی اختلاف نہیں اس لئے آپ ہمیں معاف رکھیں" بکر نے منت کے انداز میں کہا کہ "چھا ایسا کریں آپ جواب لکھ کر مجھے ان باکس کر دیں میں خود پوسٹ کر دوں گا"

## اردو خبریں





ایسے میں انگریزی کو سب کے لیے قابل قبول بنانے کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی، اردو کا حل تو ”رومن اردو“ کی شکل میں بہت پہلے نکل آیا تھا، اب انگریزی کی مشکل بھی حل ہو گئی ہے۔ اب جو جتنی غلط انگریزی لکھتے ہیں اتنا ہی عالم فاضل خیال کیا جاتا ہے، اگر آپ کو کسی دوست کی طرف سے میج آئے اور اُس میں That کی بجائے Dat لکھا ہو تو یوں وہ سا قبچہہ لگانے کی بجائے ایک لمحے میں سمجھ جائیں کہ آپ کا دوست ایک ذہین اور دنیا دار شخص ہے جو جدید انگریزی کے تمام تر لوازمات سے واقف ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ شاید انگریزی میں اردو اور پنجابی کا تزکا ہمارے ہاں ہی لگایا جاتا ہے لیکن میرا خیال غلط ثابت ہوا، سعودیہ میں مقیم میرا بھانجا بتا رہا تھا کہ یہاں کے عربی بھی انگریزی کا شوق پورا کر رہے ہوں تو جہاں جہاں انگریزی آنکھیں دکھاتی ہے وہاں یہ عربی کا لفظ ڈال لیتے ہیں، مثلاً اگر انگریزی میں کہنا ہو کہ یہ میرا گھر ہے تو بڑے آرام سے کہہ جاتے ہیں ”ہذا مائی ہوم“۔



انگریزی اتنی آسان ہو گئی ہے لیکن بڑے دکھ کے ساتھ بتانا پڑ رہا ہے کہ یہ آسان انگریزی صرف ہماری عام زندگیوں میں ہی قابل قبول ہے، انگریزی کا مضمون پاس کرنے کے لیے تاحال اسی جناتی انگریزی کی ضرورت ہے جو خود انگریزوں کو بھی نہیں آتی۔ پتا نہیں آج کل کی رنگ بدلتی انگریزی میں اب پرانی انگریزی کی کیا ضرورت رہ گئی ہے؟ پہلے کبھی لگتا تھا کہ ساری دنیا میں انگریزی کی اشد ضرورت ہے، دنیا سے رابطے کے لیے انگریزی بولنا اور لکھنا بہت ضروری ہے، لیکن اب تو لگتا ہے عالمی رابطے کے لیے کوئی نئی زبان ہی وجود میں آرہی ہے، یہ زبان کسی نے نہیں بنائی، نہ اس کے کوئی قواعد ہیں، بس یہ خود بخود بن گئی ہے اور لگ رہا ہے کہ کچھ عرصے تک باقاعدہ ایک شکل اختیار کر جائے گی، یہ زبان سب سمجھ سکتے ہیں، لکھ سکتے ہیں لیکن شاید بول کبھی نہیں سیکھیں گے کیونکہ یہ

## انگلش و نگلش

مصنف: حاجی بصیر سراج

اس مختصر انگریزی میں بھی ایسی ایسی مشکلات آن پڑی ہیں کہ کئی دفعہ جملہ سمجھنے کے لیے استعارہ کرنا پڑتا ہے۔ ابھی کل مجھے ایک دوست کا میج آیا، لکھا تھا ”U r inv in bk crmy“ میں نے حیرت سے میج کو پڑھا، اللہ جانتا ہے تین چار دفعہ مجھے شک گذرا کہ اُس نے مجھے کوئی گندی سی کالی لکھی ہے، دل مطمئن نہ ہوا تو ایسی ہی انگلش لکھنے اور سمجھنے کے ماہر ایک اور دوست سے رابطہ کیا، اُس مرد مجاہد نے ایک سینڈ میں ٹرانسلیشن کر دی کہ لکھا ہے You are invited in book's ceremony!!!۔

انگریزی سے نمٹنے کا ایک اور اچھا طریقہ میرے ہمسائے شاکر صاحب نے نکالا ہے، جہاں جہاں انہیں انگریزی نہیں آتی وہاں وہ اطمینان سے اردو ڈال لیتے ہیں۔ مثلاً اگر کھانا کھاتے ہوئے انہیں کسی کا میج آجائے تو جواب میں لکھ بھیجیے ”پلیز اس ٹائم ٹاٹ ڈسٹرب، آئی ایم کھانا کھانینگ“۔ ایک دفعہ موصوف کو فیس بک پر ایک لڑکی پسند آگئی، فوراً لکھا ”آئی وائنٹ ٹو شادی وڈ یو۔۔۔ آؤ یو راضی؟“۔ لڑکی کا جواب آیا ”ہاں آئی ایم راضی، بٹ پہلے ٹرائی نو راضی میرا بیو تے بے بے“۔ آج کل یہ دونوں میاں بیوی ہیں اور اکثر اسی انگریزی میں لڑائی جھگڑا کرتے ہیں، تاہم اب وہ درمیان میں اردو کی بجائے پنجابی بولتے ہیں اور ایک جملہ بار بارہراتے ہیں ”آئی سیڈ کھصماں نوں کھا، یو سارا خاندان از چول“۔

انگریزی کے بدلنے ہوئے رنگ صرف یہیں تک محدود نہیں، اب تو کوئی صحیح انگلش میں جملہ لکھ جائے تو اُس کی ذہنی حالت پر شک ہونے لگتا ہے، ماڈرن ہونے کے لیے انگریزی کا بیڑا فرق کرنا بہت ضروری ہو گیا ہے، میں تو کہتا ہوں انگریزی کی صرف ٹانگ ہی نہیں، دانت بھی توڑ دینے چاہئیں، اس بد بخت نے ساری زندگی ہمیں خون کے آنسو رلایا ہے۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق اب انگریزی لکھنے کے لیے گرامر اور Tenses بھی غیر ضروری ہو گئے ہیں۔ یعنی اگر کسی کو کہنا ہو کہ ”میں تمہارا منتظر ہوں، تم کب تک آؤ گے؟“، تو بڑی آسانی سے اسے چٹکیوں میں یوں لکھا جاسکتا ہے m wtg u cm whn!!!۔

دنیا مختصر سے مختصر ہوتی جا رہی ہے، کمپیوٹر ڈیسک ٹاپ سے لیپ ٹاپ اور اب آئی پیڈ میں سا چکے ہیں، موٹے موٹے ٹی وی اب سمارٹ ایل سی ڈی کی شکل میں آگئے ہیں، ونڈو اے سی کی جگہ سپلٹ اے سی نے لے لی ہے، انٹرنیٹ ایک چھوٹی سی USB میں سٹ چکا ہے

مجھے بچپن سے ہی انگریزی میں فیل ہونے کا شوق تھا لہذا میں نے ہر کلاس میں اپنے شوق کا خاص خیال رکھا۔ ویسے تو مجھے انگریزی کوئی خاص مشکل زبان نہیں لگتی تھی، بس ذرا سپیلنگ، گرامر اور Tenses نہیں آتے تھے۔ مجھے یاد ہے جو ٹیچر ہمیں کلاس میں انگریزی پڑھایا کرتے تھے وہ بھی کاٹھے انگریز ہی تھے، دو سال تک ”سی۔۔۔ یو۔۔۔ پی۔۔۔ سپ“ پڑھاتے رہے، مشین کو ”مچھن“ اور نالچ کو ”ننالچ“ کہتے رہے۔ ایسی تعلیم کے بعد میری انگریزی میں اور بھی نکھار آگیا، مجھے یاد ہے میٹرک کے داخلہ فارم میں جب ایک کالم میں ”Sex“ لکھا ہوا تھا تو میں کافی دیر تک شرماتے ہوئے سوچتا رہا کہ ایک لائن میں اتنی لمبی تفصیل کیسے لکھوں؟؟؟ فارم کے پہلے کالم میں اپنا نام انگریزی میں لکھنا تھا لیکن انگریزی سے نااہل ہونے کی وجہ سے مجھے یہ نام لکھنے کے لیے اسلام آباد کا سفر کرنا پڑا کیونکہ فارم پر لکھا ہوا تھا ”Fill in capital“۔ انگریزی فلمیں دیکھتے ہوئے بھی مجھے کہانی تو سمجھ آ جاتی تھی، سنو ری پلے نہیں پڑتی تھی۔ سکس ملین ڈالر مین، نائٹ رائیڈر، جیپس، انیر وولف اور کوجیک جیسی مشہور زمانہ فلمیں میں نے صرف اور صرف اپنی ذہانت سے سمجھیں اور انجوائے کیں۔



آج سے کچھ سال پہلے تک مجھے یقین ہو چکا تھا کہ میں فارسی، عربی، پشتو اور اشاروں کی زبان تو سیکھ سکتا ہوں لیکن انگریزی نہیں، لیکن اب جو حالات چل رہے ہیں اُن کو مد نظر رکھ کر میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ یا تو مجھے انگریزی آگئی ہے، یا سب کو بھول گئی ہے۔ کچھ بھی ہو، میری خوشی کی انتہا نہیں، اب سارے سپیلنگ بدل گئے ہیں اور دو تین لفظوں میں سا گئے ہیں۔ اب Coming لکھنا ہو تو صرف cmg سے کام چل جاتا ہے۔ گرل فرینڈ GF ہو گئی ہے اور فیس بک FB بن گئی ہے۔ اب کوئی انگریزی کا لمبا لفظ لکھنا ہو تو اُس سے پہلے کے چند الفاظ لکھ کر ہی ساری بات کہی جاسکتی ہے، میں نے ساڑھے تین سال کی ”فیوژن ہاشقت“ کے بعد unfortunately کے سپیلنگ یاد کیے تھے، آج کل صرف Unfort سے کام چل جاتا ہے یعنی جہاں سے مشکل سپیلنگ شروع وہیں پہ ختم۔ بات یہاں تک رہتی تو ٹھیک تھا لیکن اب تو

”شارٹ پیئر“ کی وہ قسم ہے جو کسی کالج یا انسٹی ٹیوٹ میں نہیں پڑھائی جاتی۔ اس زبان میں خوبیاں تو بہت ہیں لیکن ایک کی ہمیشہ محسوس ہوتی رہے گی، یہ جذبات سے عاری زبان ہے، یہ چند لفظوں میں دو ٹوک بات کرنے کی عادی ہے، اس زبان میں کسی کی موت پر v sad لکھ دینا ہی کافی سمجھا جاتا ہے، یہ محبتوں اور احساسات سے محروم زبان ہے۔ میں یہ زبان کچھ کچھ سیکھ چکا ہوں، لیکن استعمال کرنے سے گھبراتا ہوں، پتا نہیں کیوں مجھے لگتا ہے اگر میں نے بھی یہ زبان شروع کر دی تو مجھ میں اور روباٹ میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا۔

§§§

---





میں حسبِ معمول اپنے گھر کے قریب وسیع و عریض پارک میں شام سے پہلے واک کرنے آیا ہوا تھا سردیوں کا آغاز ہو چکا تھا گرمیاں رخصت ہو رہی تھیں ٹھنڈی ہواؤں میں خشکی کا احساس بڑھ رہا تھا موسم کی خوشگواریت کی وجہ سے بہت سارے لوگ پارک میں آئے ہوئے تھے بچے، نوجوان، بڑھے اور بوڑھے ہر عمر کے لوگ سبزہ پھول درخت جمیل ہر طرف خدا کی قدرت اپنی رعنائی کا اور دلکشی کا مسکور کن احساس دلا رہی تھی کیونکہ گرمی کے بعد اب ٹھنڈ شروع ہو چکی تھی اس لیے واک کرنے والے اور پارک کی سیر کرنے والوں کی تعداد بہت بڑھ چکی تھی میں جو بچپن سے سبزے ہریالی درخت پھول جمیل فطرت کا شوقین ہوں سب کچھ انجوائے کرتا ہوا تیزی سے مٹی کے واکنگ ٹریک پر ادھر ادھر دیکھتا بڑے بڑے قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا حسبِ معمول میرے ہونٹوں پر اسماء الحسنی کا ورد جاری تھا پارک سبزہ فطرت کے خوبصورت مناظر اور اللہ کا ذکر سبحان اللہ میرا جسم اور روح کیف انگیز کیفیت کو انجوائے کر رہے تھے خوشگوار موسم کے اثرات سے میرا جسم روح شہراری کی حالت میں تھے دورانِ واک چند ایسے دوستوں کا سامنا بھی ہوا جو اکثر یہاں واک کرتے ہیں ان سے مسکراہٹ کا تبادلہ کر کے میں آگے بڑھتا جا رہا تھا کیونکہ پارک میں لاہو ر کے لوگوں کے علاوہ بہت بڑی تعداد مسافروں یا باہر سے آنے والے لوگوں کی ہوتی ہے مختلف علاقوں سے آنے والے لوگوں کا اپنا اپنا کچر زبانیں رنگ و جسامت یہ سب مل کر ایک مخلوط کچر سا بنلاپتے ہیں میں ان کو بغور دیکھتا جا رہا تھا اکلاکائے شادی شدہ جوڑے بھی نظر آ رہے تھے جو دنیا ما فیہا سے بے خبر اپنی ہی دھن میں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے بیٹھے یا چلتے نظر آ رہے تھے یہ نئے شادی شدہ جوڑے اپنی ہی دھن میں شادی کے غبار میں مست چہروں پر رنگوں کی قوس قزح بکھیرے نظر آ رہے تھے میں چونکہ بچپن سے متجسس مزاج رکھتا ہوں اور اس لیے بغور لوگوں کو دیکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا پارک میں اکثر نوجوانوں کے مختلف ٹولے بھی نظر آتے ہیں جو نوجوان لڑکیوں کو چھیڑنے یا آوازیں کسے سے باز نہیں آتے وہ بھی نظر آ رہے تھے ہر شریف انسان کی طرح مجھے بھی ان پر بہت غصہ آتا تھا لیکن ساتھ یہ بھی سوچ کہ یہ عمری ایسی ہے جس میں خوف ہوش کی بجائے صرف جوش اور جوش ہی ہوتا ہے اس لیے ایسے لڑکوں کو نظر انداز کر دیتا میں واک کرتا ہوا پارک کے ایسے حصے میں آگیا جہاں مجھے ایسا ہی ادبش نوجوانوں کا ٹولا نظر آیا جو شاید کسی لڑکی کو تنگ یا اس پر آوازیں کس رہے تھے میں روزانہ کی طرح نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا لیکن جب واک کرتا ہوا پورا چکر لگا کر دوبارہ اسی جگہ پر آیا تو دیکھا کہ وہ لڑکے اسی طرح ہی لڑکی کو تنگ

اور آوازیں کس رہے تھے اب میں نے بغور اس لڑکی کی طرف دیکھا تو سامنے ایک پندرہ سولہ سال کی سکول کے یونیفارم میں ملبوس کسی چھوٹے شہر کی دھان پان سی سلاہ لڑکی نظر آئی جھکائے بیٹھی تھی اس کی گود میں اس کا کتا بوں کا بیگ بھی تھا پہلے تو میں ہلکا مزاق سمجھ کر گزر گیا اب مجھے معاملہ سنجیدہ نظر آنے لگا میں تھوڑی دور جا کر رک گیا اور حالات کا سنجیدگی اور نزاکت کا احساس کرنے لگا۔ میں غور سے دیکھ رہا تھا تین یا چار لڑکے تھے جو باری باری اس کو تنگ کر رہے تھے وہ لڑکی سر جھکائے بیٹھی تھی اس کے پاس اس کی کوئی ساتھی یا بزرگ نہیں تھا میں نے چند منٹوں میں ہی اندازہ لگا لیا کہ یہ اکیلی لڑکی ہے اس کے ساتھ کوئی بھی نہیں سورج غروب ہونے کو تھا رات کا آٹھ بج رہی تھی وہ لڑکی کو تنگ کر رہے تھے تاکہ وہ زیادہ بدتمیزی کر سکیں میں سمجھوتہ کر رہی تھی کہ کوئی اس لڑکی کو یہاں چھوڑ کر بھاگ گیا ہے اور یہ بچاری اس کا یا تو انتظار کر رہی ہے یا پھر اس کو سمجھ نہیں آ رہی کہ اب اس پر دیکھی شہر میں وہ کیا کرے وہ مجبوری بے بسی کا بت بنی بیٹھی تھی اب میں جان چکا تھا کہ لڑکی شدید خطرے میں ہے اور کسی خوفناک حادثے کا شکار ہو سکتی ہے میں نے فوری طور پر اپنے واقف سیکورٹی گارڈ کو بلا دیا اور اس لڑکی کی طرف بڑھا مجھے اور سیکورٹی گارڈ آتے دیکھ کر ادبش بڑے تیزی سے بھاگ گئے میں آہستہ آہستہ بیٹی کے پاس ہو گیا اور اس کے سامنے بیٹھ گیا پہلے تو وہ مجھے دیکھ کر بری طرح ڈر گئی خوف اور پرہیز کی وجہ سے اس کا جسم لرز رہا تھا اس کے چہرے پر خوف کی زردی پھیلی ہوئی تھی اور آنکھوں میں خوف دہشت و یرانی اور قبرستان کے سانے کا راج تھا میں شفیق لہجے میں بولا بیٹی مجھ سے ڈرو نہ میں آپ کے باپ جیسا ہوں تم میری بیٹی ہو اب تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے آپ میری بیٹی ہو اب تمہیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے میرے لہجے کی شفقت اور مٹھاس سے اس کی آنکھوں میں زندگی کی رمت لہرائی اور اس نے میری طرف دیکھا میرے شفقت سے لبریز لہجے سے اس کے اندر جیسے کوئی آنسوؤں کا جہرا پھوٹ پڑا جیسے خود بخود کوئی والو کھل گیا ہو اور پانی بہنا شروع ہو گیا اس کی معصوم آنکھوں میں عجیب سا سیلاب تھا جو اب بند توڑ کر بہہ نکلا تھا نہ اس کے چہرے کا زاویہ بدلا نہ ہی کوئی آہ بکا نہ سسکی نہ چیخ نہ آواز پانی اس کی آنکھوں سے اس کے رخساروں کو مسلسل تر کرنے لگا اس کے اندر کا کرب اس کی آنکھوں سے بہہ رہا تھا خوف اور دہشت سے وہ شاید قوت گو پائی سے محروم ہو چکی تھی آنسوؤں کی کثرت نے اس کی قوت گو پائی جھین لی تھی یہ وہ کلت کا شکار ہو چکی تھی مجھے اس پر بہت پیا آ رہا تھا میں اس کی بے بسی اور آنسوؤں کی برسات سے اندر ہی اندر کٹ رہا تھا وہ نہی معصوم پری اپنے آنسوؤں سے اپنے اوپر ہونے والے ظلم کی داستان سنا رہی تھی۔ میرے شفقت بھرے رویے کی وجہ سے اس نے کئی بار بولنے کی کوشش کی لیکن زبان شاید اس کے اختیار میں نہیں تھی یا خوف نے اس کے جسم و جان کو اس بری طرح جکڑا ہوا تھا کہ الفاظ زبان پر آنے سے پہلے ہی تہلیل ہو جاتے تھے اس کے اعصاب اور عضلات کسی بہت بڑی منفی کیا کی تبدیلی سے گزرے تھے کہ ان کا اس میں تال میل ختم ہو حرکت بیٹھی تھی مجھے لگ رہا تھا وہ شاید نیم فالجی کیفیت کا شکار ہو چکی ہی وہ اپنے آپ میں نہیں تھی اس کا جسم اور دماغ کسی شدید حادثے سے گزرنے کے بعد کام کرنا چھوڑ چکے تھے اس کی یہ حالت مجھ سے دیکھی نہ جا رہی تھی میں نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کے سر پر رکھ دیا محفوظ ہو تم بالکل نہ ڈرو وہ خاموش گہری نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی درد دکھ نمی بن کر اس کی آنکھوں سے بہہ رہا تھا وہ رونے کی کوشش نہیں کر رہی تھی آنسو اس کے ضبط کے سارے بندھن توڑ کر خود بخود بہنے جا رہے تھے اس کے اندر پتہ نہیں کتنے سسندوں کا پانی تھا جو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا اس کا معصوم نازک چہرہ لگا تھا آنسوؤں سے جھجک چکا تھا میں چاہ رہا تھا کہ وہ کچھ بولے الفاظ نکلے وہ مجھے بے یار و مددگار چھوڑ کر چلا گیا اور پھر بلک بلک کر رونے لگی۔

